میراث سے متعلق چند مباحث کا فقہی جائزہ

مفتی حق نواز اختر کوہاٹی
مدرس جامعہ ابوہریرہؓ اتحاد ٹاؤن کراچی

شریعت اسلامیہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ شریعت اسلامیہ میں جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ ایسے ہی انسان کی اجتماعی زندگی اور اس کے حقوق کے بارے میں بھی مکمل ہدایت اور رہنمائی پائی جاتی ہے، بالخصوص مالی حقوق میں احتیاط کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کے اموال کھانے سے سختی سے منع فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یا ایھا الذین آمنوا لاتاکلو اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم... الخ (النساء ۲۹)

اسی طرح حلال مال کھانے اور حرام و ناجائز مال سے بچنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ یا ایھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم واشکروا للّٰہ" (البقرۃ ۱۷۲) ﴾

لہٰذا قرآن وسنت کی رو سے مالی معاملات میں حرام و ناجائز ذرائع کے ذریعے حصول مال سے اجتناب کرنا اور حصول رزق کے جائز ذرائع کا اختیار کرنا اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی، ان کے حقوق تلفی سے اجتناب کرنا ایسے ہی فرض ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

مالی معاملات میں چونکہ ایک بڑا حصہ میراث میں ملنے والے مال و جائیداد کے معاملات کا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی اہمیت کے پیش نظر دیگر احکام شرعیہ کے برعکس احکامِ میراث کو قرآن کریم میں جزئیات و فرعیات کے ساتھ بیان کیا ہے اور میراث میں ملنے والے حصص کی تقسیم خود بیان فرمائی ہے، چنانچہ سورۃ النساء میں تقریباً ڈیڑھ رکوع اس بارے میں نازل ہوا ہے، جس میں اکثر ورثا کے حصے الگ الگ بیان کئے گئے ہیں۔

میراث کی شرعی تقسیم کے بارے میں قرآنی آیات:

۱۔ مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں۔

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیباً مفروضاً﴾ (نساء:۷)

ترجمہ: مردوں کے لئے حصہ مقرر ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک قرابت دار چھوڑ جائیں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، حصہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔

اس آیت میں قانونِ وراثت کا ضابطہ بیان فرما کے میراث کی اہمیت بتائی گئی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ حصص میراث کی وصیت فرماتے ہیں۔

سورۃ النساء میں ورثا کے حصص کی تفصیل بیان کرنے سے قبل فرمایا:

﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ (النساء:۱۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظِ امر کے بجائے لفظِ وصیت ذکر فرمایا، کیونکہ لفظِ وصیت میں حکم کے ساتھ ساتھ تاکید و اہتمام کا معنی بھی پایا جاتا ہے جیسے کہ علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے

"عدل عن الامر الی الایصاء لانه ابلغ وأدل علی الاهتمام وطلب الحصول بسرعة" (روح المعانی: ج۴، ص۵۷۹، مکتبہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ میراث کے بیان کردہ حصص کے مطابق تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی اہم اور مؤکد ہے۔

۳۔ شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنے والوں کے لئے بشارت:

احکام میراث کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وتلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسوله یدخله جنٰت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها وذلک الفوز العظیم﴾ (النساء:۱۳)

ترجمہ: یہ سب احکام مذکورہ (متعلقہ میراث) خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ میراث کے مقررہ حصے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں، جو شخص ان حدود کی پاسداری کرتے ہوئے میراث کی تقسیم شریعت کے مطابق کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

تقسیمِ میراث میں غلطیاں اور کوتاہیاں:

ہمارے معاشرے میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو دنیائے فانی کی محبت میں پھنس کر تقسیم وراثت کے شرعی اصولوں پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس بارے میں معاشرے میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ بیوہ کو نکاح ثانی کرنے پر میراث سے محروم کرنا:

بعض جگہ یہ دستور ہے کہ اگر بیوہ دوسرا نکاح کرلے تو اسے میرث سے محروم کردیتے ہیں، اس لئے وہ بیچاری اپنا حصہء میراث محفوظ رکھنے کی خاطر دوسرا نکاح نہیں کرتی اور عمر بھر بیوگی کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ مرحوم شوہر کے اعزہ واقربا کے شب وروز طرح طرح کے مظالم کا تختہء مشق بنی رہتی ہے۔ یہ سراسر ظلم اور حرام ہے۔

۲۔ بیوہ کو دوسرے قبیلہ سے ہونے کی بنا پر محروم کرنا:

سندھ میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ جو عورت شوہر کے قبیلہ سے نہ ہو اُسے حصہ میراث نہیں دیتے یہ بھی بہت بڑا ظلم اور جہالت ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ج۹، ص ۳۴۵، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی واحکامِ میت: ص ۱۷۴)

۳۔ لڑکیوں کو میراث میں حصہ نہ دینا ظلم ہے:

بعض لوگ لڑکیوں میراث میں حصہ نہیں دیتے جو بنص قرآنی حرام اور ظلم ہے۔ (تھانوی۔ اشرف علی، اصلاح انقلاب امت حصہ اول، ص ۱۴۱، ۲۴۱، مکتبہ ادراۃ المعارف کراچی)

۴۔ بیوہ کو تمام منقولات کا مالک سمجھنا ظلم ہے:

بعضے بیوہ عورتیں اپنے آپ کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی ہیں۔ یہ بھی ظلم ہے، جو چیز شوہر نے اس کو ہبہ کی ہے وہ بیشک اس کی ہے ورنہ اور سب ترکہ مشترک ہے۔ (ایضاً)

۵۔ بہنوں سے حصہء میراث معاف کرالینا:

یہ ظلم تو اکثر دیندار اور اہل علم گھرانوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ بہنوں سے حصہء میراث معاف کرالیتے ہیں، لیکن یاد رہے کہ رسمی طور پر بہنوں کے معاف کرنے سے ہرگز بری الذمہ نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ بہنیں دور جاہلیت کے رواج کے مطابق اپنا حصہء میراث طلب کرنے کو بہت معیوب سمجھتی ہیں اور بھائیوں کی ناراضگی اور لوگوں کے طعن وتشنیع سے ڈرتی ہیں، لہذا بہنوں کا بادل نخواستہ محض زبان سے اپنا حصہء میراث معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں اور اگر کوئی شاذ ونادر کوئی عورت خوش دلی سے معاف کردے تب بھی یہ معاف کرانا اسلامی اُصول کے خلاف ہے، کیونکہ یہ کیسے معلوم ہوگا، کہ اس نے خوش دلی سے معاف کیا ہے؟ نیز بہن کا اپنا یہ حصہ میراث

قبضہ کرنے سے پہلے خوشی سے معاف کرنا بھی معتبر نہیں، (البتہ اگر بہن اپنا حصہ میراث پر قبضہ کرلے اوراس کے بعد پھر وہ خوشی سے اپنا حصہ دوبارہ اپنے بھائیوں کو ہبہ کرلے تو ٹھیک ہے)۔ پھر اس میں خلاف شرع ہندوؤں کی ظالمانہ رسم کی ترویج اور تائید بھی ہے، لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔(احسن الفتاویٰ: ج۹، ص ۳۴۵، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی واحکامِ میت: ص ۱۷۴)

۶۔میت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو اپنے پاس رکھنا:

میت کی یادگار کے طور پر کسی چیز کو معمولی سمجھ کر یا متبرک سمجھ کر بعض وارث ترکہ میں بعض اشیاپر بدونِ اطلاع یا بدونِ رضا دوسرے وارثوں کے قبضہ کرلیتے ہیں۔ یہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے، جو حق العبد ہونے کی وجہ سے توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا خواہ وہ ادنیٰ سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اگر وارثوں میں کوئی نابالغ بھی ہے تو معاف کرانے پر بھی معاف نہیں ہوگا، جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے اس کا معاف کرنا شرعاً معتبر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ص، ۳۴۷)

۷۔بحیثیت متولی ترکہ پر قبضہ کرنا:

بعض مرتبہ کوئی وارث اپنے آپ کو سب سے بڑا اور متولی سمجھ کر پورے ترکہ پر جبراً قابض اور متصرف رہتا ہے اور اس میں من مانی کارروائیاں کرتا ہے ۔دوسرے وارثوں کو مطالبہ پر بھی تقسیم نہیں کرتا اور یتیموں کے مال میں بھی تصرف سے نہیں ڈرتا، فما أصبرهم على النّار (یہ لوگ جہنم کی آگ پر کتنے صابر اور جری ہیں) اعاذنا اللہ منھا (احسن الفتاویٰ: ص ۳۴۹ واحکامِ میت: ص ۱۷۵)

شرعی نظامِ میراث کی خصوصیات:

شریعت اسلامیہ نے قریبی رشتہ داروں کے مابین وراثت کے لئے انتہائی حکیمانہ وعادلانہ نظام مقرر کیا ہے، جس کی پوری تفصیل اور ہر ہر پہلو کو قرآن کریم اور سنت مطہرہ نے واضح طور پر بیان کیا ہے اوراس کی تفاصیل کو انسانی آراء پر نہیں چھوڑا اس لئے کہ انسانی آراء ان باریک حکمتوں کا ادراک نہیں کرسکتیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے یہ نظام مقرر فرمایا ہے، چنانچہ کسی بھی ذی عقل وصاحبِ علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ شریعت اسلامیہ کا نظامِ میراث دیگر ادیان وقوانین کے مقابلے میں کئی ساری خصوصیات کا حامل ہے اور یہ خصوصیات درج ذیل اصولوں پر مبنی ہیں۔

(الف) میت کا چھوڑا ہوا سارا مال میراث ہے:

پہلا اصول اسلامی نظامِ میراث میں یہ ہے، کہ میت نے اپنی ملکیت میں انتقال کے وقت جو مال چھوڑا وہ سارا مال میراث وورثہ ہے چاہے وہ ذاتی اور شخصی استعمال کی اشیاء ہوں جیسے میت کے کپڑے، برتن، یا ایسی املاک واموال ہوں جن سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے جیسے زمین، مالِ تجارت اور نقدی وغیرہ۔شریعتِ اسلامی نے ہی حکم طے کر رکھا ہے، کہ ان تمام اشیاء کے ساتھ ورثا کا حق

متعلق ہوگا چاہے وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، قیمتی ہوں یا سستی۔ اسلام سے قبل کئی قومیں ایسی تھیں جو میت کی چھوڑی ہوئی ساری چیزوں میں میراث جاری نہیں کرتے تھے۔ صرف ان چیزوں میں میراث جاری کرتے جن سے فائدہ اور نفع حاصل کیا جائے اور وہ باقی رہنے والی ہو مثلاً زمین، دوکان اور نقدی۔ جبکہ عام مستعمل اشیاء جیسے کپڑے، برتن، اسلحہ اور زیورات۔ اس میں میراث جاری نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ میت کے ساتھ قبر میں دفن کردیا کرتے تھے اور بعض لوگ ایک جگہ جمع کرکے ان کو جلادیتے تھے، چنانچہ ان سب رسومات میں کافی سارا مال ضائع ہوجاتا حالانکہ میت کی اولاد، بیوہ اور قریبی رشتہ داروں کو اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ شریعت اسلامیہ نے ان سب جاہلانہ رسومات کو ممنوع قرار دے کر میت کے سارے ترکہ میں ورثا کا حق ثابت کردیا یہاں تک کہ میت کے ترکے میں ایک چھوٹی سی سوئی بھی ہوتو وہ بھی میراث میں شامل ہوگی۔

(ب) میراث رشتہ داروں کا حق ہے، نہ کہ اجنبیوں کا:

اسلامی نظامِ میراث میں دوسرا اصول یہ ہے کہ میراث میت کے رشتہ داروں کا حق ہے اور اجنبی لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں جب تک رشتہ دار موجود ہوں، لیکن اس کے برعکس کئی قوموں کا نظریہ ہے کہ وہ میت کے ترکے کو تقسیم کرنے میں اس میت کے پڑوسیوں کو ترجیح دیتے ہیں وہ پڑوسی اور دوست سارا مال لے لیتے ہیں اور میت کے اہل وعیال مایوسی کے عالم میں اس کے مال سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ظالمانہ، سفاکانہ طرزِ عمل ہے۔ اسلام نے میراث کے اصل حقدار میت کے رشتہ داروں کو قرار دے کر اس باطل نظریے کی جڑ کاٹ دی اور اس حد تک تاکید وتحدید کردی کہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کا حصہ بھی ختم کردیا حالانکہ اہلِ عرب زمانہ جاہلیت میں متبنیٰ کو نسبی بیٹے کی طرح حصہ دیتے تھے۔ سورہ احزاب آیت: ۴ میں اس بات کو لغو قرار دے کر اعلان کردیا، کہ شریعت اسلامیہ میں بیٹا صرف اور صرف وہی ہے، جو کسی شخص کے نطفے سے پیدا ہو۔ حقیقی بیٹا ہی بیٹوں کے حقوق کا حقدار ہے، نہ کہ متبنیٰ فلاحصة له فی المیراث اصلاً.

(ج) میراث مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سب کا حق ہے:

اسلامی نظام میراث میں تیسرا اصول یہ ہے کہ میراث میں مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سب کا حق ہے۔ زمانہ جہالت میں میت کے بیٹیوں، بیویوں اور نابالغ بچوں کو میراث میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ ان کے ہاں اصول یہ تھا کہ میراث اسی کو ملے گی جو لڑائی میں مال غنیمت حاصل کرسکتا ہو اور گھوڑے پر سوار ہوکر لڑسکتا ہو۔

(کما رواہ ابن جریر الطبری فی تفسیرہ ج۴، ص ۱۶۲۔۱۶۳)

اسلام نے آکر اس ظالمانہ رواج کو ختم کردیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ﴿للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر

نصیباً مفروضاً﴾ نازل فرما کر مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سب کو میراث کا مستحق قرار دے کر سب کے حصے متعین کر دئے۔

(د) اقربیت میراث کا معیار ہے:

اسلامی نظامِ میراث میں تیسرا اصول یہ ہے کہ استحقاقِ میراث کا معیار اقربیت ہے۔ جو رشتہ دار میت کا زیادہ قریبی ہوگا وہ دور کے رشتہ داروں سے زیادہ حقدار ہوگا۔ یہ اصول عصبات کی میراث میں کلی اور مطرد ہے، کیونکہ عصبات میں اقرب اپنے ابعد (کم قریبی رشتہ دار) کو میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ اور ذوی الفروض کی میراث میں یہ اصول کلی نہیں، لیکن ذوی الفروض کے حصے متعین کرنے میں بالعموم اس اصول کا لحاظ رکھا گیا۔

اگر دو یا دو سے زیادہ وارث میت کے قریبی رشتہ دار ہونے میں برابر ہوں صرف ان کی عمروں میں فرق ہو ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تو محض زیادتی عمر کی وجہ سے وہ چھوٹے کو محروم نہیں کر سکتا ہے، جب کہ نصاریٰ کے نظام میں یہ معروف ہے، کہ میت کی اولاد میں جو سب سے بڑا ہو وہ چھوٹوں سے مقدم ہوگا، جو میت کی چھوٹی اولاد پر صریح ظلم ہے کیونکہ ان کو میراث میں حصہ صرف اس وجہ سے نہیں دیا جاتا، کہ وہ اپنے بڑے بھائیوں کے بعد ہوئے، لیکن اسلام نے اس ظلم کو باطل قرار دے کر اولادِ میت میں عمر کی بنیاد پر فرق کو ختم کر دیا اور اصل معیار میت کی قرابت اور رشتہ داری کو بنایا۔ اس سے ایک فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ ایک کے وارث ہونے کے بجائے متعدد وارث بنتے ہیں اور یوں مال پھیل جاتا ہے ذخیرہ اندوزی کی نوبت ہی نہیں آتی اور مال کی تقسیم میں توازن برقرار رہتا ہے، کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ایک، دو آدمی ہی مالدار بن جائیں اور سارا مال ان ہی کے درمیان ہی چکر کاٹتا رہے۔ لیکن اسلام نے ایک شخص کے جمع کردہ مال کو اس کے انتقال کے بعد کئی ورثا میں پھیلا دیا تاکہ مال کی تقسیم میں اعتدال پیدا ہو جائے اور یہ شریعتِ اسلامیہ کے عادلانہ نظام کی خصوصیت ہے۔

(ہ) وراثت فوری اور مکمل ملکیت کا سبب ہے:

پانچواں اصول اور خصوصیت یہ ہے، کہ اسلام میں وراثت کی وجہ سے ہر وارث کے لئے اپنے حصے کے مطابق فوری ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جو تمام مالکانہ حقوق کو ثابت کرتی ہے، لیکن اس کے برعکس ہندوؤں، بعض یونانیوں اور رومیوں کا نظام یہ ہے، کہ ترکہ مشترکہ خاندان کے پاس رہتا ہے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ شرکا میں سے کوئی فرد اپنے حصہ کو نہ تو فروخت کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے حصہ کو جدا کر کے تقسیم کر سکتا ہے۔ گویا وارث کی میراث میں مکمل اور فوری ملکیت ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں، کیونکہ بعض اوقات اس نظام میں جکڑے ہوئے وارث کو اپنی ضروریات کے لئے نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے پاس اس حصہ کے علاوہ کوئی اور مال نہیں ہوتا، لیکن وہ اپنے مورث کے ترکے سے اپنے حصہ کے بقدر فائدہ نہیں حاصل

کرسکتا، کیونکہ وہ اس خاندانی نظام کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے ہی مال وجائیداد سے فائدہ حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے ۔اسلام نے اس قسم کی پابندیوں اور رسموں کو باطل قرار دے کر ہر وارث کو اس کا علیحدہ حق دے کر اپنے حصہء میراث کا باختیار مالک بنادیا، تا کہ وہ جب چاہے جیسے چاہے اپنے مال میں تصرف کرسکے، لہذا وہ اپنے حصہ کو فروخت کرسکتا ہے اور فوری طور پر دیگر شرکا سے اپنے حصہ کو جدا بھی کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ شریعت نے شرکا کو اس بات کی ترغیب دی ہے، کہ وہ میت کے انتقال کے بعد ترکہ کو جلد از جلد تقسیم کریں، کیونکہ اشتراک کی وجہ سے باہمی جھگڑے اور فسادات پیدا ہوتے ہیں، جو رشتہ داروں کے درمیان بغض وکینہ پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ (مفتی تقی عثمانی، تکملۃ فتح الملہم: ج۲، ص۳۔۶ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

افسوس کی بات ہے، کہ آج ہم مسلمانوں میں یہ عادات مروج ہوگئی ہیں، کہ ترکہ کو جلد تقسیم نہیں کرتے اور اس بیماری میں بہت سے اچھے خاصے دیندار حضرات بھی مبتلا ہیں حالانکہ یہ سراسر غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔

ترکے کی تعریف اور حقیت:۔

انتقال میت کے کون، کون سے حقوق کو میراث میں شامل کیا جائے گا اور کن حقوق کو شامل نہیں کیا جائے گا؟ اس کو سمجھنے کیلئے ترکہ کی تعریف وحقیقت جاننا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس کی طرف یوں رہنمائی فرمائی ہے۔

﴿للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قلّ منه او کثر نصیباً مفروضاً﴾ (نساء:۷)

اس آیت میں قابلِ وراثت چیزوں کے لئے لفظِ ''ماترک'' استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظِ ''ماترک'' میں خود اس بات کی وضاحت ہے، کہ قابلِ وراثت وہ مال یا وہ مالی حق ہے جو موت کے وقت مرنے والے کی ملکیت رہا ہو، کیونکہ اگر وہ اس کی ملکیت میں نہ ہوتو اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اسے چھوڑ کر گیا۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **((من ترک مالاً فلورثته))** (الجامع للترمذی: ج۲، ص۲۹، مکتبہ قدیمی کتب خانہ)

''جو شخص کوئی مال چھوڑ کر گیا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے''

چنانچہ قرآن وسنت کے ارشادات کی بنا پر فقہاء کرام نے ترکہ کی تعریف یوں کی ہے:

''وہ مال وجائیداد جو مرتے وقت مرحوم کی ملکیت میں ہو یا ایسا مالی حق جو اس کی زندگی ہی میں واجب الاداء ہوگیا ہو اور وہ اپنی زندگی میں اس کا مطالبہ کرسکتا ہو ترکہ و میراث کہلاتا ہے۔

اس تعریف کی رو سے جو چیزیں بوقت مرگ آخری دم میں اس کی خالص مملوک تھیں خواہ وہ چیزیں زمین، باغ، مکان ،نقد، زیور، کپڑا اور جانور ہوں یا گھر کے اسباب وآرائش کا سامان ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ترکہ میں داخل ہے اور سب چیزوں

سے وارثوں کا حق متعلق ہے یہاں تک کہ میت کے بدن کے جو کپڑے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں اور اگر میت کے جیب میں ایک الائچی بھی پڑی ہو تو کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ بلا اجازت وارثوں کے اس کو منہ میں ڈال لے کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے کسی ایک آدمی کا حصہ نہیں۔

جو مال میت کو ایسے ذریعے سے ملا ہو کہ شریعت نے اس کے مالک ہونے کا حکم نہیں لگایا ہو یا غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو وہ ترکہ میں داخل نہیں ہوگا پس:

۱۔ جو چیز میت نے کسی سے عاریت لی تھی یا کسی نے اس کے پاس امانت رکھ دی تھی ان میں میراث جاری نہ ہوگی، کیونکہ میت کی ملک نہیں۔

۲۔ میت نے کسی کا مال غصب یا چوری یا خیانت کر کے رکھ لیا تو اس میں میراث جاری نہ ہوگی۔

(سید میاں اصغر حسین: مفید الوارثین، ص ۳۶۔۳۵، مکتبۃ العلم کراچی وکذا فی عدالتی فیصلے:

اور یہی ساری تفصیل فقہائے کرامؒ کی ذکر کردہ ترکہ کی تعریف سے بھی معلوم ہوتی ہے

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

التركة فى الاصطلاح ما تركه المیت من الاموال صافیاعن تعلق حق الغیر بعین من الأموال.

''اصطلاح کے اعتبار سے ''ترکہ'' وہ مال ہے جو مرنے والا چھوڑ کر جائے اور اس میں کسی متعین چیز پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو''

(ابن عابدین، محمد أمین: ج ۶، ص ۷۵۹، مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی)

اگرچہ ترکہ کی تعریف میں ''مال'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس میں وہ مالی حقوق بھی داخل ہیں جو اگرچہ مرنے والے کی زندگی میں اس کو وصول تو نہیں ہوا لیکن وہ کسی دوسرے کے ذمے اس طرح واجب الادا تھے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں ان کے مطالبہ کا حقدار تھا، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ ترکی مذکورہ بالا تعریف کے بعد لکھتے ہیں:

''واعلم انه یدخل فى التركة الدیة الواجبة بالقتل الخطاء أو بالصلح عن العمد أو بانقلاب القصاص مالا بعفو بعض الأولیاء فتقضى منه دیون المیت وتنفذ وصایاه''

''اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے ترکہ میں دیت کی وہ رقم بھی داخل ہے جو قتل خطا کے ذریعے سے واجب ہوئی یا وہ رقم جو قتل عمد سے مصالحت کے نتیجے میں واجب ہوئی یا بعض وارثوں سے قصاص معاف کرانے سے واجب ہوئی چنانچہ اس مال سے میت کے قرضے ادا کئے جاسکتے ہیں اور اس سے اس کی وصیتیں پوری کی جاسکتی ہیں'' (ایضا)

ان تمام تعریفات کو مدنظر رکھتے ہوئے ''دکتور وھبۃ الزحیلی'' ترکے کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

التركة لغة ما يتركه الشخص و يبقيه

و اصطلاحاً:(عند الحنفية)الأموال والحقوق المالية التى كان يملكها الميت فتشتمل الأموال المادية من عقارات ومنقولاً وديون على الغير و الحقوق الدينية التى ما الألكنها تقوم بمال أو تتصل به ،كحق الشرب والمسيل والمرور والرهن اذيرث الورثة الدين موثقًابرهنه.

وخيارات الأعيان كخيارالعيب وخيار التعين وخيارفوات الوصف المرغوب فيه ولاتشتمل عندهم الخيارات الشخصية ،كخيار الشرط وخيار الرؤية وحق الشفعة،فانهاحقوق متعلقة بشخص المتوفى لابماله (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج۱۰،ص۷۷۲۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ وکذافی المواریث فی الشریعۃ الاسلامیۃ)

''ترکہ اصطلاح میں ان اموال اور حقوق مالیہ کا نام ہے جس کا میت مالک ہوتا ہے۔پس اس میں وہ جائیداد منقولہ، غیر منقولہ اور وہ واجب الادا رقوم شامل ہیں، جو مرنے والے کے لئے کسی دوسرے کے ذمے لازم ہوا ور ایسے حقوق جو بذات خود تو مال نہ ہو ،لیکن وہ مال کے ساتھ متقوم و متصل ہو جیسے حق آبپاشی، کسی نالی سے پانی بہانے کا حق، کسی راستہ پر چلنے کا حق اور رہن کا حق.....یہ سارے حقوق مرنے والے سے اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہونگے''

خلاصہ کلام یہ ہے، کہ قرآن وسنت کے ارشادات اور فقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ کسی مرنے والے کے قابلِ وراثت ترکے میں بنیادی اہمیت اس بات کو ہے، کہ وہ یا تو ایسا مال ہو جو مرتے وقت اس کی ملکیت میں تھا یا مرحوم کا کوئی ایسا حق ہو جو اس کی زندگی میں واجب الادا ہو گیا ہو اور وہ اپنی زندگی میں اس کا مطالبہ کرسکتا ہو تو یہ سارے اموال مرحوم کی میراث اور ترکے میں شامل ہونگے اور کوئی چیز مرتے وقت مرنے والے کی ملکیت میں نہیں یا دوسرے کے ذمے ایسا لازمی حق نہیں ہے جس کا وہ

اپنی زندگی میں لازمی طور پر مطالبہ کرسکتا ہو تو اس کو میراث یا ترکہ میں شامل نہیں کہا جاسکتا ہے ۔(مفتی تقی عثمانی ،عدالتی فیصلے:ج۲،۲۱۰۔مکتبہ ادارہ اسلامیات کراچی)

ترکے کی اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مختلف فنڈز پنشن، بینوولنٹ فنڈ، گروپ انشورنس وغیرہ کا جائزہ لینا ہوگا۔

پنشن کی رقم کا حکم:

پنشن تنخواہ کا جز نہیں، بلکہ حکومت کی طرف انعام سے وتبرع ہے اس لئے اس میں تفصیل یہ ہے، جو رقم اس شخص کی زندگی میں اس کے قبضہ میں آگئی ہو یا اس کے نام جمع کردی گئی وہ اس کا مالک ہوگیا، لہذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور سب ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی اور جو رقم نہ اس کے قبضہ میں آئی نہ اس کے نام جمع ہوئی وہ اس کا مالک نہیں ہوا، لہذا اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، بلکہ وہ حکومت کی صوابدید پر ہے جس کو چاہے دے دوسرے ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں ۔(مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ: ج۹،ص۳۰۲، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

بینوولنٹ فنڈ، گریجویٹی اور گروپ انشورنس کا حکم:

بینوولنٹ فنڈ، گروپ انشورنس اور ان میں سے جس فنڈ کا ملازم اپنی زندگی میں حقدار ہو چکا تھا اور خود اس کے مطالبہ کرنے کا مستحق تھا تو وہ فنڈ چاہے اس کے انتقال کے بعد ملے میراث کا حصہ ہوگا اگر ایسا نہیں تو میراث میں شامل نہیں ہوگا۔

بینوولنٹ فنڈ، گریجویٹی اور گروپ انشورنس کی رقم مختلف ادارے اور محکمے فوت ہونے والے ملازم کے پسماندگان کو بطور امداد دیتے ہیں اور ملازم اپنی زندگی میں اس کا لازمی طور پر مطالبہ نہیں کرسکتا لہذا ایسی صورت میں ادارہ اور محکمہ مرحوم کے ورثا میں سے جس کو متعین کرکے فنڈ دے گا وہ اسی کی ملکیت بنے گا دوسرے ورثا کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا لیکن کسی ادارے کے قانون کے مطابق اگر یہ فنڈ ملازم زندگی میں وصول کرسکتا تھا اور وہ اس کے مطالبہ کا مستحق تھا تو ایسی صورت میں یہ فنڈ مرحوم ملازم کے ترکے میں شامل ہو کر سب ورثا میں تقسیم ہوگا۔

بینوولنٹ فنڈ:

۱۔ بینوولنٹ فنڈ کے لئے ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ کا ایک فیصد حصہ یا کچھ روپے ماہانہ لازمی طور پر ملازم سے وصول کیا جاتا ہے اور ممکنہ حد تک اسے تنخواہ ہی سے کاٹ لیا جاتا ہے اور اس کو بینوولنٹ فنڈ میں جمع کردیا جاتا ہے اس رقم کو جو ملازم سے وصول کی جاتی ہے، چندے (subscription) کا نام دیا گیا ہے۔

۲۔ اگر ملازم اپنی مدت ملازمت کے دوران جسمانی یا ذہنی طور پر اپنے فرائض انجام دینے سے بالکل محروم ہوجائے تو ۱۰ سال

تک یا ریٹائرمنٹ کی عمر تک پہنچنے تک (ان میں سے جو پہلے ہو) ماہانہ رقم بینوولنٹ فنڈ سے وصول کرنے کا مجاز ہوگا، جس کو ایکٹ کی دفعہ نمبر۱۳ شق A میں عطیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ اگر ملازم اپنی مدتِ ملازمت کے دوران (ریٹائر ہونے سے پہلے) یا ۶۵ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے انتقال کر جائے تو اس کی فیملی بھی اس عطیہ کی حقدار ہوگی، اس کو بھی ایکٹ کی دفعہ نمبر۱۳ شق B میں عطیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ ملازم کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ اپنی فیملی کے افراد میں سے کسی فرد یا افراد کو اس رقم کی وصولیابی کے لئے نامزد کردے اور اگر چاہے تو ایک سے زیادہ افراد نامزد کرنے کی صورت میں ان کے حصّوں کا تعین بھی کر سکتا ہے۔

۵۔ جہاں ملازم نے اپنی فیملی کے فرد یا افراد کو اس طرح نامزد نہ کیا ہو تو وہاں حکومت کی طرف سے بینوولنٹ فنڈ کے عطیہ کی وصولیابی کے لئے کسی بھی فرد یا افراد کو مقرر کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس بات کا اطمینان کر لیا گیا ہو کہ دیا ہوا عطیہ فیملی کے تمام افراد کے نفقہ اور فائدے کے لئے انصاف سے استعمال ہوگا۔

۶۔ اگر کسی ملازم نے اپنی غفلت اور لاپروائی سے اپنی تنخواہ کا متعین حصہ کٹوا کر فنڈ میں جمع نہ کیا ہو تب بھی اس کا استحقاق ختم نہیں ہوتا بلکہ معذور ہونے کی صورت میں وہ خود اور دورانِ ملازمت انتقال کرنے کی صورت میں اس کی فیملی وہ عطیہ وصول کر سکتی ہے ، البتہ اس عطیہ سے اتنی رقم کم کی جا سکتی ہے جتنی اس نے چندے کے طور پر جمع ادا نہیں کی۔

بینوولنٹ فنڈ کی مذکورہ بالا تفصیلات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ملازم کے انتقال کی صورت میں اس کی فیملی کو ملنے والا عطیہ نہ تو ایسے مال کی تعریف میں داخل ہے، جو مرتے وقت ملازم کی ملکیت میں ہو اور نہ ہی یہ کوئی ایسا مالی حق ہے جو فنڈ کے ذمہ ملازم کی حیات میں واجب الادا ہو، کیونکہ اگر کوئی ملازم زندہ رہتا ہے تو وہ صرف اس وقت اس عطیہ کا حقدار ہوتا جب وہ ریٹائر ہونے سے پہلے اپنی جسمانی یا ذہنی معذوری کے سبب ملازمت سے برخاست کر دیا گیا ہوتا اور اگر بالفرض کوئی ملازم ریٹائرمنٹ کی عمر تک پہنچ کر ریٹائر ہوا تو فنڈ سے کسی بھی صورت میں کوئی پیسہ وصول نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے انتقال کی صورت میں اس کی فیملی کو کوئی عطیہ مل سکتا ہے۔ اسی سے یہ بات واضح ہے کہ یہ عطیہ ملازم کا کوئی ایسا حق نہیں ہے کہ فنڈ کے ذمہ قرض کی طرح لازمی طور پر واجب الادا ہو، لہذا اس لحاظ سے اس کو ملازم کا ترکہ کہنا ممکن نہیں ہے۔ (ملخص از عدالتی فیصلے: ص ۲۱۰۔۲۱۱)

گروپ انشورنس کا حکم:

گروپ انشورنس میں کچھ رقم ملازم کی تنخواہ سے کاٹ کر گروپ انشورنس میں جمع کی جاتی ہے بینوولنٹ فنڈ کی طرح اس فنڈ میں بھی اگر ملازم اپنی تنخواہ سے یہ رقم کسی وجہ سے نہ کٹوا سکا ہو تو تب بھی اس کی فیملی گروپ انشورنس لینے کی حقدار ہوتی ہے، البتہ جتنی قسط ملازم کے ذمہ واجب الادا رہ گئی ہو وہ گروپ انشورنس کی رقم سے کاٹ لی جائے گی اس لحاظ سے گروپ انشورنس اور بینوولنٹ فنڈ میں میراث کے نقطہ نظر سے کوئی بنیادی فرق نہیں۔

عملی اعتبار سے بینوولنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس میں فرق:

میراث کے اعتبار سے ان دونوں میں اگر چہ کوئی فرق نہیں، لیکن عملی اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہے۔

۱۔ اگر ملازم اپنی ریٹائرمنٹ کی عمر تک پہنچنے کے بعد ریٹائر ہو تو اس کے بعد بینوولنٹ فنڈ سے اس کو یا اس کی فیملی کو کچھ نہیں ملتا ،جبکہ گروپ انشورنس کی رقم انتقال کے بعد ہر حال میں اس کی فیملی کو ملتی ہے خواہ مدت ملازمت کے دوران اس کا انتقال ہوا یا ریٹائر ہونے کے بعد۔

۲۔ بینوولنٹ فنڈ کی رقم فیملی کو ایک مخصوص مدت تک ماہانہ دی جاتی ہے اور گروپ انشورنس کی رقم یک مشت دی جاتی ہے۔

لیکن اس فرق کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ یہ کوئی ایسی رقم نہیں ہے جس کا ملازم اپنی زندگی میں حقدار ہو گیا ہو اور اسے اپنی زندگی میں وصول کر سکتا ہو، بلکہ یہ رقم فنڈ کی طرف سے ملازم کے اہل خانہ کے لئے ایک امدادی عطیہ ہے۔ اس کو ملازم کا ترکہ نہیں کہا جاسکتا، لہذا جن لوگوں کو یہ رقم دی جاتی ہے ان کا تعین احکام میراث کے مطابق کرنا ضروری نہیں ہے۔ (ملخص از عدالتی فیصلے: ص ۲۱۰۔۲۱۱)

گریجویٹی کا حکم:

گریجویٹی کے ضوابط مختلف اداروں میں مختلف ہوتے ہیں اصل مدار اس بات پر ہے کہ اگر گریجویٹی کا ملازم زندگی میں اس کا حقدار ہو گیا تھا تو وہ تنخواہ کا حصہ ہو کر ''ترکہ'' میں شامل ہوگا اور اگر ملازمت کی شرائط کا حصہ تھا اور نہ ملازم زندگی میں اس کا حقدار ہوگا تو اس حکم کا بھی بینوولنٹ فنڈ جیسا ہوگا۔

جی پی فنڈ کا حکم:

یہ فنڈ جبری ہو یا اختیاری چونکہ ملازم کو یہ رقم ادا کرنا قانونی طور پر ادارہ پر لازم اور ضروری ہے اور ملازم اپنی زندگی میں اس کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اس لئے یہ رقم اس کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثاء پر اصول میراث کے مطابق تقسیم ہوگی۔ (ماخوذ از فتویٰ دارالعلوم کراچی و احسن الفتاوی ص ۳۰۱ جلد ۹)

میڈیکل امداد میں ورثاء کا حق:

مرنے سے قبل اگر مورث نے اس رقم کو اپنی زندگی ہی میں وصول کر لیا تھا تو یہ رقم میت کے ترکہ میں شامل ہو کر ورثاء پر تقسیم ہوگی اور اگر مرنے سے پہلے اس رقم کو وصول نہیں کیا تو یہ محض عطیہ و تبرع ہوگا جس کے نام پر جاری ہو وہی اس کا حقدار ہوگا احکام میراث کے مطابق تقسیم نہ ہوگی۔ (کذا فی فتاوی محمودیہ: ج ۲۰، ص ۴۰۴، مکتبہ فاروقیہ)

حکومت یا کمپنی کی جانب سے بطور تعاون دی گئی رقم کا حکم:

اگر کوئی کمپنی بطور تعاون کے اپنے ملازمین کی اولاد یا والد وغیرہ کیلئے ملازم کے فوت ہونے کی صورت ہر ماہ تنخواہ دینے کا وعدہ کرے یا یکمشت ان کو کوئی رقم دے دے تو اس امدادی رقم میں کون کون شریک ہوگا سارے ورثاء کو ملے گی یا جن کو حکومت یا کمپنی دینا چاہے بس وہی اس کے مالک ہونگے؟

اس بارے میں شریعت کی رو سے حکم یہ ہے کہ وفات کے بعد حکومت یا یا کمپنی جو رقم بطور تعاون وہمدردی دیتی ہے وہ محض تبرع واحسان ہے مرحوم کا ترکہ نہیں ہے لہذا اس میں میراث جاری نہ ہوگی بلکہ حکومت یا کمپنی جن ورثاء کو یا جس وارث کو یہ رقم دے گی وہ اس کا مالک ہوگا دوسروں کا اس میں کوئی حق نہیں۔ (کذا فی امداد الفتاوی ص ۳۴۳ جلد ۴ دار العلوم)

زلزلہ وسیلاب زدگان کو ملنے والی رقم کا حکم:

پاکستان کے مختلف علاقے سیلاب وزلزلہ سے متاثر ہوئے اس میں فوت ہونے والوں کے لواحقین کو حکومت نے بطور امداد رقم دی ہے، اسی طرح جن کے مکانات گر گئے تھے ان کو بھی تعمیر مکان کے لئے مالی امداد دی گئی اب اس ملی امداد کو ترکہ میں شمار کیا جائے گا اور سب ورثا میں تقسیم کیا جائے گا؟ یا حکومت نے جن لواحقین کے نام رقم جاری کی ہے یہ رقم صرف انہی کا حق ہوگا؟

شرعاً اس بارے میں حکم یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ حکومت نے یہ رقم مرنے والے کے نام جاری کی ہے یا اس کے ورثا میں کسی خاص فرد مثلاً بیوی، والد یا بیٹے کے نام جاری کی ہے۔ اگر مرنے والے کے نام جاری کی ہے تو یہ رقم سب ورثا میں میراث کے حصوں کے مطابق تقسیم کی جائی گی اور اگر کسی خاص رشتہ دار کے نام پر جاری کی ہے تو صرف اس وارث کو ملے گی جس کے نام پر جاری کی گئی ہے دوسرے ورثا کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ حکومت کی طرف سے ایک امداد اور احسان ہے میت کے ترکہ کا حصہ نہیں ہے، کیونکہ ترکہ صرف وہ ہوتا ہے جو انتقال کے وقت میت کی ملکیت تھا یا اس میت کا ایسا لازمی حق تھا جس کا وہ اپنی زندگی میں مطالبہ کر سکتا تھا حالانکہ یہ امداد ان صورتوں میں داخل نہیں ہے، لہذا یہ رقم ترکہ میں شامل نہ ہوگی۔ (عدالتی فیصلے ج ۲، ص ۲۱۰)

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے: ''چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع واحسان سرکار ہے، بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا، اس میں میراث جاری نہیں ہوگی'' (امداد الفتاویٰ: ج ۴، ص ۳۴۳، مکتبہ دار العلوم کراچی)